رسائل و مسائل

کیا حضرت علیؓ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا؟

سوال: ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۶۴ء میں حاشیہ تفہیم ۳۵ میں ان احادیث پر بحث کی گئی ہے جن میں سورج کو واپس لوٹانے جانے کا ذکر ہے۔ روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی نمازِ عصر فوت ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی، سورج واپس آگیا، آپ نے نماز ادا کی۔ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ اور ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو بے اصل کہا ہے۔

اس روایت پر میں نے جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے:۔ ابی جعفر طحاوی احمد بن محمد مصری حنفی نے جلد دوم مشکل الآثار ص ۱۲ میں اس پر بحث کی ہے۔ اس روایت اور حضرت یوشع بن نون کے لیے جو سورج کو روکا گیا تھا، دونوں میں تطبیق دی ہے۔

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن مولیٰ ہیں جن کے متعلق لکھتے ہیں محمود فی الروایۃ الخ... محمد بن عون اور امام جعفر اہل بیت سے ہیں۔ صادق اور مقبول الروایۃ ہیں۔ اور اس حدیث کو محدثین نے علاماتِ نبوت میں بڑی علامت قرار دیا ہے (مشکل الآثار ج دوم روایات ردِ شمس وغیرہ)۔ اسی طرح حنفی فقہ کی مشہور کتاب طحطاوی علی نور الایضاح میں اوقاتِ صلوٰۃ کی بحث میں یہ سوال اٹھایا ہے۔ ولو غربت الشمس ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم لما فی الدرر الخ۔ اس کے ثبوت میں وہی حضرت علیؓ والی روایت نقل کی ہے۔ اور اس روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں نقله طبرانی بسند حسن وصححه الطحاوی والقاضی عیاض واخطأ من جعله موضوعاً کابن الجوزی

کما فی الشفا طحطاوی ص ۹۵

اسی طرح نور الانوار میں بحث وقت میں ان روایات کو لیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث نہ تو موضوع ہے اور نہ بے اصل۔

اگر سب قارئین کے لیے مفید خیال فرمائیں تو اس کا جواب ترجمان میں دے دیں۔

جواب:۔ ردّ الشمس سے متعلق روایات پر محض مشکل الآثار طحطاوی، اور نور الانوار کی اجمالی بحثیں مطالعہ فرما کر اگر آپ نے یہ خیال کر لیا ہے کہ اس سے تحقیق کا حق ادا ہو گیا ہے، سند و متن کے جملہ اشکالات رفع ہو گئے ہیں اور ان روایات کی صحت ثابت ہو گئی ہے، تو آپ کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ اسی طرح ان مختصر بحثوں سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا بھی صحیح نہیں ہے کہ فقط ابن جوزی یا ایک آدھ دوسرے محدث نے ان روایات کو موضوع یا ضعیف قرار دیا ہے اور دوسروں کے نزدیک یہ صحیح یا قوی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے لیے سورج لوٹائے جانے والی ساری روایات ائمہ حدیث اور اصحاب جرح و تعدیل کے نزدیک نہایت ہی ضعیف بلکہ موضوع و مکذوب ہیں اور ان روایات کا کوئی ایک طریق بھی محفوظ اور قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

ابن تیمیہؒ نے ان روایات پر جو تنقید کی ہے وہ ان کی تصنیف "منہاج السنہ" میں موجود ہے۔ منہاج السنہ کا عام متداول نسخہ امام ذہبیؒ کا تلخیص کردہ ہے اور منتقی "منہاج السنہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس طرح اس مختصر نسخے کو گویا دو جلیل القدر محدثین کی سند توثیق حاصل ہے۔ اس کتاب کی فصل ثالث (ص ۵۲۴ تا ۵۲۸) میں "خرافۃ ردّ الشمس لعلی مرتین بعد غروبھا" کے زیر عنوان امام ابن تیمیہؒ نے ان روایات پر بحث کرتے ہوئے ان کے متعدد سلسلے نقل کیے ہیں اور ان میں وہ بھی شامل ہیں جو امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں دیے ہیں۔ ان میں سے ہر سلسلے کے راویوں پر ابن تیمیہؒ نے ابن حبان، ابو حاتم، ابن عدی، دارقطنی اور شعبہ وغیرہ کی شدید جرح کو الگ الگ بیان کیا ہے اور اپنی رائے ان الفاظ میں دی ہے:

علمنا ليقيني بفضل علي لا يحتاج معه هذا الكذب فما رد الشمس له في زمن النبي صلى الله عليه وسلم فقد ذكره طائفة بلفظ آخر كالطحاوي والقاضي عياض وغيرهما وعدوا ذلك من معجزات الرسول صلى الله عليه وسلم لكن الحذاق يعلمون ان هذا لم يكن۔

حضرت علیؓ کی فضیلت کے بارے میں ہم جو یقینی علم رکھتے ہیں وہ اس طرح کے جھوٹ کا محتاج نہیں ہے۔ جہاں تک عہدِ نبوی میں اُن کے لیے سُورج لوٹائے جانے کا تعلق ہے۔ اس کا ذکر بعض حضرات مثلاً طحاوی، قاضی عیاض وغیرہ نے کیا ہے اور اسے معجزاتِ رسول میں شمار کیا ہے لیکن فنِ حدیث کے ماہرین جانتے ہیں کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے۔

اس موضوع سے متعلق روایات پر اس سے زیادہ مفصل اور مکمل بحث حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جزء سادس میں کی ہے۔ اس جزء کا بیشتر حصہ معجزاتِ نبویؐ کے لیے وقف ہے اور اس میں مصنف نے پوری جامعیت کے ساتھ تمام متعلقہ احادیث و آثار کو نقل کر دیا ہے۔ اس میں "دلائل النبوۃ الحسیۃ" کے عنوان کے تحت آفتاب کے روکے جانے یا لوٹائے جانے والی جملہ روایات پر نہایت شافی اور مبسوط نقد و بحث موجود ہے جو گیارہ بڑے (۶۷ تا ۷۸) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جن اصحابِ رجال کی کثیر تعداد نے ان تمام سلسلہ ہائے اسناد کو ضعیف بلکہ وضعی قرار دیا ہے ان میں دارقطنی، ابن حبان، ابن عدی، یحییٰ بن معین، ابن عساکر، ابن ناصر بغدادی، ذہبی، شعبہ، ابن زنجویہ، دارمی، نسائی، ابو حاتم رازی، المزی، ابن حزم، ابنِ جوزی، ابن مبارک، ابن مہدی، ابوزرعہ، بخاریؒ، ابو داؤد، جوزجانی جیسے جلیل القدر ائمہ شامل ہیں۔ اس طویل بحث کے دوران میں ایک مقام پر ابن کثیر اس موضوع پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

في نزول الائمة كمالك واصحاب الكتب الستة واصحاب المسانيد والسنن والصحاح والحسان روايته هذا الحديث وايداعه في كتبهم اكبر دليل على انه لا

امام مالک، مصنفینِ صحاحِ ستہ، اصحابِ مسانید و سُنن اور دیگر صحیح اور حسن احادیث کے جامعین کا اس ردِ شمس والی حدیث کا ترک کر دینا اور اپنی کتابوں میں اسے درج نہ کرنا اس بات کا سب سے

اصل له عندهم وهو مفتعل ما فوق بعدهم وهذا ابو عبد الرحمن النسائی قد جمع کتابا فی خصائص علی بن ابی طالب ولم یذکره وکذالك لم یروه الحاکم فی مستدرکه وکلاهما ینسب الی شیء من التشیع ولا رواه من رواه من الناس المعتبرین الا علی سبیل الاستغراب والتعجب ... والائمة فی کل عصر ینکرون صحة هذا الحدیث و یردونه ویبالغون فی التشنیع علی رواته کما قدمنا من غیر واحد من الحفاظ۔

بڑا ثبوت ہے کہ ان سب کے نزدیک بے اصل ہے اور ان کے بعد جھوٹ موٹ گھڑ لی گئی ہے۔ امام نسائی کو لیجیے جنہوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کے خصائص و فضائل میں ایک کتاب مرتب کی ہے، لیکن انہوں نے بھی اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح حاکم نے بھی اپنی کتاب مستدرک میں اسے درج نہیں کیا، حالانکہ دونوں کی طرف ایک حد تک تشیع کو منسوب کیا جاتا ہے۔ معتبر محدثین میں سے جس نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، محض اظہار تعجب اور اچنبھے کے طور پر کیا ہے اور ہر عہد میں ائمہ حدیث نے اس روایت کی صحت کا انکار کیا ہے، اسے رد کیا ہے اور اس کے راویوں پر شدید طعن و تشنیع کی ہے، جیسا کہ ہم پہلے بہت سے محدثین سے نقل کر چکے ہیں۔

امام طحاوی کی اخذ کردہ روایات میں سے جو نسبتہً قابل اعتماد ہو سکتی تھی اس پر بھی جرح کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ اور ابن کثیر دونوں نے اس میں تدلیس و تعلیل کی نشان دہی کی ہے۔ ابن کثیر نے مزید لکھا ہے:

والطحاوی رحمه الله وان کان قد اشتبه علیه امره فقد روی عن ابی حنیفه رحمه الله انکاره والتهکم بمن رواه۔

اگرچہ طحاوی رحمہ اللہ پر اس روایت کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے لیکن ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے راویوں کے خلاف اظہار نکیر و نفرت منقول ہے۔

امام طحاوی کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول ہے جسے ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے، قابل ذکر

ہے کہ لم یکن عندہ نقل جید للاسانید لجھابذۃ الحفاظ (ان کے پاس جانچ پرکھ کرنے والے زبردست محدثین جیسا عمدہ سلسلہ اسناد نہیں تھا)

امام ابوحنیفہ کا اس روایت پر انکار و اعتراض سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے ابن کثیر فرماتے ہیں:

فھذا ابوحنیفۃ رحمہ اللہ وھو من الائمۃ المعتبرین وھو کوفی لا یتہم علی حب علی ابن طالب وتفضیلہ بما فضلہ اللہ ورسولہ وھو مع ھذا ینکر علی راویہ۔

یہ ہیں ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو کہ ائمہ معتبرین میں سے ہیں اور کوفی ہونے کی وجہ سے انہیں حضرت علیؓ سے محبت رکھنے اور خدا و رسول کی عطا کردہ فضیلت علیؓ کا معترف ہونے کے معاملے میں مطعون نہیں کیا جا سکتا، ہیں کے باوجود وہ اس روایت کے راوی پر معترض ہیں۔

امام طحاوی وغیرہ نے جن روایتوں کی مدافعت کی ہے، ان کی سند پر تو مختصر گفتگو ہو چکی، لیکن سند کے علاوہ ان کا متن اور مضمون بھی درایۃً محل نظر ہے۔ مناسب یہ ہوگا کہ اس پہلو پر اپنے لفظوں میں کچھ کہنے کے بجائے ابن تیمیہؒ اور ابن کثیر ہی کے الفاظ نقل کر دیئے جائیں۔ ابن تیمیہؒ سابق الذکر بحث ہی میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

لکن الشأن ھل وقع ھذا الحادث العظیم ان الشمس غربت ثم طلعت وما نقلہ اھل النوا نز کما نقلوا انشقاق القمر ... ثم نفس غروب الشمس یخرج الوقت المضروب للصلوٰۃ فالمصلی بعد ذالک لا یکون مصلیا فی الوقت ولو عادت وطلعت بعد غروبھا حصل بغروبھا افطار الصائم وصلوٰۃ المسلمین المغرب۔ فبعد طلوعھا ابیطل صوم الصائم

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اتنا عظیم واقعہ رونما ہو گیا کہ سورج غروب ہو گیا اور پھر طلوع ہوا اور اہل نوا نز نے اسے اس طرح نقل نہیں کیا جس طرح شق القمر کو کیا ہے؟ ..... پھر سورج کا مجرد غروب ہو جانا نماز عصر کے وقت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کے بعد نمازی کی نماز وقت پر ادا نہیں ہو سکتی خواہ سورج غروب کے بعد دوبارہ لوٹ آئے۔ غروب کے بعد روزے دار روزہ کھول سکتا ہے اور مغرب کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ کیا دوبارہ سورج نکلنے پر

وصلوٰتہ وھٰذا التقدیر ما لہ یوجد	وہ روزہ اور نماز باطل ہوگئی ؟ یہ ایک ناممکن مفروضہ ہے ۔

اس کے بعد ابن تیمیہؒ نے ان غزوات کا ذکر کیا ہے جن میں نیند یا شدید مشغولیت میں نماز قضا ہو گئی ۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ بھی موجود تھے ، لیکن وہاں اللہ نے سورج کو لوٹا کر رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل نہیں کیا ، بلکہ نماز قضا ادا کی گئی ۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں ابن کثیر نے بھی دہرایا ہے اور مزید فرمایا ہے کہ جن صحابہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بنو قریظہ میں جاکر نماز عصر پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی اور اس پر لفظاً عمل کرتے ہوئے انہوں نے راستے میں نماز ادا نہیں کی تھی حالانکہ سفر ہی میں سورج ڈوب گیا تھا ، بلکہ بنو قریظہ کی بستی میں پہنچ کر مغرب کے بعد نماز عصر پڑھی تھی ، ان کے لیے اگر سورج واپس نہیں ہوا تو حضرت علیؓ کے لیے کیسے ہو گیا ؟ پھر حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

وکیف یدخل فی عقل احد من اھل العلم ان یکون ھٰذا الحدیث یرویہ علی ابن ابی طالب وفیہ منقبۃ عظیمۃ لہ و دلالۃ معجزۃ باھرۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم لا یروی عنہ الا بھٰذا الاسناد . . . کیف یقع مثل ھٰذا نھاراً جھرۃ وھو مما تتوفر الدواعی علی نقلہ ثم لا یروی الا من طرق ضعیفۃ منکرۃ واکثرھا مرکبۃ موضوعۃ ۔	کسی اہل علم کی عقل میں یہ بات کیسے آسکتی ہے کہ اس حدیث کے حضرت علیؓ اولین راوی ہوں اس میں ان کی عظیم منقبت اور زبردست معجزۂ نبوی کا بیان ہو اور پھر ان کی طرف سے اس طرح کی سند کے ساتھ اسے آگے روایت کیا جائے ؟ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دن کی روشنی میں علانیہ پیش آئے ، اس کے نقل کیے جانے کے اسباب و وجوہ اور محرکات بھی بہت سے ہوں ، لیکن اس کے باوجود اس روایت کے سارے طرق ضعیف و منکر بلکہ اکثر بناوٹی اور موضوع ہوں ۔

آگے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ سورج کا غروب کے بعد مغرب سے نکلنا تو قرب قیامت کی سب سے بڑی علامت ہے ، وہ کوئی معمولی واقعہ تو نہیں ہے کہ بس یونہی ظاہر ہو کر گزر جائے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے